Date of Publication: 16-09-2013
PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 17-18 Sep. 2013
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
هفت روزه
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 September 2013
Issue: 36, Vol.: 72
۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۳۶، جلد نمبر: ۷۲

اداریہ

قومی اردو کونسل کا نیا جنم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی بین الاقوامی کانفرنس 4 تا 6 ستمبر 2013 کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے کنونشن سینٹر میں منعقد ہوئی۔ یہ ایک نہایت ہی کامیاب اجتماع تھا جسے کونسل کے نئے جنم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کانفرنس کا موضوع اکیسویں صدی میں اردو زبان، اس کی تعلیم اور ادب و ثقافت کے امکانات کا جائزہ لینا تھا۔ کانفرنس میں ان تمام ہی موضوعات کے گوناگوں پہلوؤں پر نہ صرف وقیع مقالات پڑھے گئے بلکہ کانفرنس کے تینوں دن سنجیدہ ناظرین کی بڑی تعداد کی موجودگی اس کانفرنس کی ہر اعتبار سے کامیابی کا اعلامیہ بھی تھی جس کے لیے اس کے ڈائرکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کی غیر معمولی تنظیمی صلاحیتوں — یہ کانفرنس جن کا پہلا مظہر تھی — کا بجا طور پر اعتراف ضروری ہے، جنھوں نے کونسل کے نائب صدر نشیں وسیم بریلوی صاحب کے تعاون سے کونسل کے ذریعے اردو کے فروغ کے گزشتہ دس برسوں میں مختلف وجوہ سے منقطع سلسلوں کو استوار کرنے کا کام شروع کیا جس کے نتیجے میں کونسل کی گرانٹ 25 کروڑ سے بڑھ کر 60 کروڑ ہو گئی اور اس کی کارکردگی نے رفتار پکڑنی شروع کی جس کا پہلا مظہر یہ عظیم الشان مذکورہ کانفرنس تھی۔ وسیم بریلوی ہمارے عہد کے ایسے مقبول شاعر ہیں جن کی شاعری کے دلدادہ اہل اقتدار بھی بڑی تعداد میں ہیں اور ان کی مقبولیت کی یہ ساجیات قومی کونسل کے لیے فال نیک اور نعمت غیر مترقبہ بن گئی۔

کونسل کی مذکورہ کانفرنس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ کسی سرکاری ادارے کے ذریعے منعقدہ کانفرنس میں اس امر پر استصواب رائے ہوا کہ جب تک اسکول کے نظام میں اردو کی تعلیم کا احیا نہیں ہوگا، اردو کی صورت حال میں زمینی سطح پر کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ مدعا پورے زور و شور کے ساتھ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں ہی اٹھ گیا جس کا سہرا سید محمد اشرف کے سر ہے جنھوں نے اپنے کلیدی خطبے میں لفظ چبائے بغیر اس بات کو کہا کہ نہ صرف اردو کا احیا اسکول کے نظام میں مضمر ہے بلکہ اردو کے ثقافتی ادارے خصوصاً اردو اکادمیاں اردو کے احیا میں اس وقت تک کسی طرح معاون نہیں ہو سکتیں جب تک اردو تعلیم کے منتشر زدہ شیرازے کو سمیٹنے کی سبیل نہ نکل آئے۔ [سید محمد اشرف صاحب کا یہ کلیدی خطبہ 'ہماری زبان' کے اسی شمارے میں آخری صفحے پر شائع کیا جا رہا ہے۔] سید محمد اشرف نے غیر معمولی صاف گوئی کا ثبوت دیتے ہوئے دہلی حکومت کی اس پالیسی پر تنقید کی کہ اس نے بغیر اختیارات کے دہلی اردو اکادمی کو جس طرح اردو اساتذہ کے تقرر کی ذمہ داری سونپی ہے اس نے دہلی کے اسکولوں میں اردو کے نظام کو ہی تباہ نہیں کیا بلکہ اکادمی کے ذریعے تقرر پانے والے یہ اساتذہ بھی اپنی ہی برادری میں تیسرے درجے کے شہری بن کر رہ گئے اور انھیں وہ گریڈ بیس برس بعد بھی نہیں مل سکے ہیں جو دوسری زبانوں کے اساتذہ کو روز اول سے ہی ملتے ہیں۔ کانفرنس کا افتتاح کرنے آئے وزیر خارجہ جناب سلمان خورشید نے پرزور الفاظ میں سید محمد اشرف کی اس تجویز کی تائید کی اور مرکزی وزیر تعلیم پلم راجو نے قومی اردو کونسل سے اردو تعلیم کے احیا کا لائحۂ عمل مرتب کرنے کو کہا تاکہ اسے حکومت کی پالیسی سازی کا حصہ بنایا جا سکے۔ ایک دوسرے اجلاس میں سابق مرکزی وزیر مملکت برائے انسانی وسائل جناب سید علی اشرف فاطمی نے بھی اس بات پر زور دیا کہ اسکولوں کے نظام میں اردو کی شمولیت نہایت ہی ضروری ہے۔ انھوں نے واضح لفظوں میں اس بات کو کہا کہ قومی اردو کونسل کو ملک بھر میں 10+2 کے اسکولوں کا قیام بغیر کسی تاخیر کے شروع کر دینا چاہیے۔ کونسل اگر اس مشورے پر پوری سنجیدگی سے عمل کرے تو اردو کی تاریخ میں اس کا نام زریں الفاظ میں لکھا جائے گا۔

اردو تعلیم کے سیاق و سباق میں ہونے والی بحثوں میں کسی نے بھی دینی مدارس میں دی جانے والی تعلیم کو اسکول کے نظام میں اردو تعلیم کا متبادل نہیں بتایا جو نہایت ہی خوش گوار بات ہے۔ مولانا ولی رحمانی تک نے اس بات پر زور دیا کہ اسکولوں کے نظام میں اردو کا احیا ہونا چاہیے۔ مولانا رحمانی نے اس بات پر زور دیا کہ دینی مدارس کے اپنے مقاصد ہیں اور ان کے نظام میں مداخلت کی اجازت کسی کو نہیں دی جا سکتی۔ کانفرنس کے شرکا میں اس امر پر بھی اتفاق تھا کہ تقسیم کے بعد اردو پر پڑنے والے بے پیری وقت میں دینی مدارس نے ہی اردو کو زندہ تو رکھا مگر دینی مدارس کا نظام اور نصاب جس نوعیت کے ہیں ان سے اسکول اور مدارس دونوں کا رول ادا کرنے کی توقع کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ دینی مدارس کے طلبہ بہ یک وقت دینی مدارس اور اسکول کے نصاب کا بوجھ اٹھا ہی نہیں سکتے۔

ہندی یونیورسٹی کے وائس چانسلر وبھوتی نرائن رائے کی تجویز کے بعد کانفرنس کے شرکا نے اس نہایت ہی مفید خیال کا استقبال کیا کہ قومی اردو کونسل دیگر ہندستانی زبانوں کی ایک کانفرنس کرنے کا ڈول ڈالے تاکہ دوسری زبانیں خصوصاً ہندی والوں کے ذہنوں میں اردو کے تعلق سے جاگزیں غلط فہمیوں کی دھند چھٹ جائے اور انگریزی کا مقابلہ کرنے میں اردو بھی ان دیگر ہندستان کی زبانوں کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہو سکے، انگریزی جن کے وجود کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر کونسل اس کام کو فوراً کر سکے تو وہ ہندستانی زبانوں کی چیمپین بن جائے گی، اور یہ ایسا کام ہے جس کی طرف اب تک اردو اداروں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے۔ ہندستانی زبانوں سے روابط استوار کرنے کی کوششوں کو اہل اقتدار کا مکمل تعاون بھی حاصل ہوگا اور ایسی تمام کوششیں قومی اردو کونسل کو اردو دنیا کے دائرے سے نکال کر ہندستان گیر کردار ادا کریں گی۔ امید کہ کونسل کے ارباب اقتدار اس تجویز پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔

اطہر فاروقی

دوسری قسط

عہدِ حاضر کا ایک اہم اقبال شناس

محمد صہیب (156B/9B/1، شمس نگر، کریلا باغ، الہ آباد)

فاروقی صاحب نے ییٹس، اقبال اور ایلیٹ کی شاعری کے براہِ راست مطالعے سے یہ فکری اور فنی مماثلتیں تلاش کی ہیں اور ان کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس موقعے پر صرف ان کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔

آسمان کی بلندی نے اردو شاعری کو پرواز عطا کی اور اس کو اتنے موضوع فراہم کیے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نہ ہوتا تو شاعری کا وجود نہ ہوتا، یا اگر وجود ہوتا تو اس کو تخیل کی وہ بلندی حاصل نہیں ہوتی جو اس کی دسترس میں ہے۔ آسمان کے سلسلے میں شاعروں کے افکار اور تجربے یہ ہیں:

1- آسمان بے انصاف ہے، سنگ دل ہے، اور ہمدردی کے جذبے سے عاری ہے۔
2- آسمان دور ہے۔
3- آسمان مسلسل چکر لگاتا ہے، اس طرح وہ ہم کو چکی کی طرح پیستا ہے یا کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سرگرداں ہے۔
4- آسمان پر جنت ہے۔

فاروقی نے اردو شاعری میں آسمان کے بدلتے ہوئے رنگ کا جائزہ لیا ہے۔ بالخصوص غالب اور اقبال کے یہاں آسمان کو کس طرح برتا گیا ہے۔ ان دونوں شعرا کے کلام میں آسمان کس کس رخ سے جلوہ گر ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے، ان تمام جہات کا فاروقی نے احاطہ کیا ہے۔ فاروقی کے مطابق غالب نے آسمان کو ایک مستقل حیثیت بخشی ہے، غالب کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

فاروقی کے مطابق مندرجۂ بالا شعر میں آسمان کی اپنی الگ ہستی اور دنیا کا جتنا واضح اور جاندار احساس ملتا ہے غالباً اردو کے کسی شعر میں نہیں ملتا۔ فاروقی نے غالب کے ان اشعار کو پیش کیا ہے جن میں آسمان، چاند، سورج اور تاروں کو ایک نئے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اقبال نے آسمان کو کس طرح پیش کیا ہے اور اقبال اور غالب میں آسمان کے مضمون کو بیان کرنے یا برتنے میں کیا فرق ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فاروقی لکھتے ہیں:

"اقبال کی شاعری کئی اعتبار سے غالب کی شاعری کی تکمیل ہے۔ اس طرح اقبال نے بھی آسمان اور اجسامِ فلکی کا ایک نیا تصور پیش کیا جو اگرچہ غالب کے تصور سے بہت کم ہم رنگ ہے لیکن ہے اسی سلسلے کی چیز۔ کم ہم رنگی کی وجہ یہ ہے کہ غالب کے یہاں آسمان کا ذکر جذباتی تجربات (Emotional experience) کی روشنی میں زیادہ ملتا ہے اور اقبال کے یہاں آسمان کی دو نوعیتیں ہیں: ایک تو خالص تخیلی یا تقریباً خیالی (لیکن عام توہمات سے الگ) اور ایک باقاعدہ فکری اور جدید سائنسی، جس کے ڈانڈے حیرت انگیز طور پر تصوف سے بھی کہیں کہیں جا ملتے ہیں۔"[۶]

اقبال نے آسمان کا تذکرہ ڈرامائی انداز میں کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کی دنیا میں ہم آباد ہیں بالکل اسی طرح کی دنیا آسمان میں آباد ہے۔ مکالمے کے ذریعے ہر چیز مجسم و متشکل نظر آتی ہے۔ فاروقی اقبال کے اس امتیازی وصف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے آسمان کو باقاعدہ آباد کیا۔ انسان اور خدا، خدا اور فرشتوں کے درمیان مکالمے یا خدا کے احکام جو فرشتوں کو براہِ راست انداز میں صادر کیے گئے ہیں، خدا کی مجلس میں چاند تاروں کی موجودگی اور پھر جبریل و ابلیس، ابلیس اور خدا کے درمیان جو مکالمات ہیں وہ اگرچہ آسمان کو آباد کرنے کی شعوری کوشش کے تحت شاید نہ رکھے جا سکیں لیکن اقبال کے ڈرامائی، بھر گیر تخیل کے کرشمے ضرور ہیں اور اس طرح یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ کی ایک شکل کہی جائیں تو غلط نہ ہوگا۔ اور بہر حال ان تخلیقی سرگرمیوں نے ہمارے آسمان کو نئی نئی ہستیوں سے بھر دیا، اس میں تو شک ہی نہیں اور اس لیے اقبال کی یہ نظمیں اور اشعار آسمان کے خلا کو آباد دیکھنے کی شعوری کوشش کی ضمن میں بآسانی شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ابلیس کا خدا کے حضور میں یہ کہنا:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

بندۂ مزدور کی تلخی اوقات کے علاوہ اس بات کا بھی شدید احساس پیدا کرتا ہے کہ ابلیس جس دنیا سے آیا ہے اور جس دنیا میں پہنچا ہے وہ دونوں انتہائی حقیقی ہیں۔ تقریباً اتنی حقیقی کہ انھیں چھوا جا سکتا ہے، یا کم سے کم مرئی طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جبریل و ابلیس اس تاثر کو زیادہ صحت اور پختگی کے ساتھ پیدا کرتی ہے:

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو

افلاک پر گفتگو کرنے والے لوگ ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، لیکن چونکہ وہ ایک حد تک واقعی معلوم ہونے لگتے ہیں، اور خاص کر شعر کا مخاطب تو بالکل سامنے ہی آ جاتا ہے، اس میں اقبال کی شعری قوتوں کے علاوہ ان کے عقیدے کی پختگی کو بھی کچھ دخل رہا ہوگا، یہ درست ہے لیکن اپنے عقائد کو اس طرح شعر کی روح میں بھر دینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ ملٹن سے بھی کہیں کہیں ممکن ہو سکا۔

جبریل اور ابلیس، اور آدم و خدا، بہر حال ہمارے آپ کے ذہن، بلکہ لاشعور میں بھی زندہ اور متحرک حیثیت رکھتے ہیں، بے جان اور جامد نہیں۔ اقبال نے جس طرح صبح و شام، شبنم، ستاروں، سورج اور اس کی کرنوں کو جاندار تصور کیا ہے، وہ یقیناً تخیل کی معراج ہے اور اس لحاظ سے شاید ٹی. ایس. ایلیٹ T.S. Eliot کے علاوہ ان کے ساتھ کسی اور کا نام نہیں لیا جا سکتا۔"[۷]

فاروقی کے مطابق اقبال کے شعری اسالیب ان کو دوسرے شعرا سے ممتاز کرتے ہیں اور ان کے یہاں جو لفظیاتی نظام ہے وہ ان کی عظمت کی اساس ہے۔ یعنی اقبال کی شاعری عظیم ہے نہ کہ ان کے افکار۔ فاروقی نے اپنے ایک مضمون 'اقبال کا لفظیاتی نظام' میں اقبال کے شعری اسالیب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کی یہ تحریر اقبالیات پر کامل بصیرت کا مظہر ہے۔ اس مضمون میں پہلی بار اقبال کی شاعری کو ان کے افکار پر ترجیح دی گئی اور یہ بتایا گیا کہ ہیگل کا صدف گہر سے خالی اور زناری برگساں کی بحث رہے یا نہ رہے مگر اقبال کا پیش کردہ شعری پیکر رہے گا۔ فاروقی کی نظر میں:

"اقبال کی اہمیت قائم ہی اسی وجہ سے ہوتی کہ وہ شاعر ہیں ابتداً ان کی شاعری کو ترک کر کے کسی بھی چیز کو اختیار کرنا چاہے وہ جذباتی طور پر ہمارے لیے کتنی ہی خوشگوار کیوں نہ ہو۔ ادبی مطالعے کے ساتھ بے انصافی کے علاوہ خود اقبال کے ساتھ بے انصافی ہے۔"[۸]

اقبال نے صنائع لفظی کا جو کلاسیکی نظام ہے اس کی مکمل پاسداری کی ہے۔ خصوصاً رعایتِ لفظی کا التزام ان کے یہاں کثرت سے ملتا ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح اقبال بھی کلیدی الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن فاروقی کے مطابق اقبال کے یہاں کلیدی الفاظ (جیسے گل، بو، شمع، خون، تجلی، لالہ، شاہین، حسن، عشق، دل، خورشید وغیرہ) کا استعمال دوسرے شعرا سے مختلف ہے اور ان کی معنویت اقبال کی شاعرانہ ارتقا سے وابستہ اور منسلک ہے۔ کلیدی الفاظ کی معنویت جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے شاعری قوی تر ہوتی جاتی ہے۔ فاروقی نے اقبال کے کلیدی لفظ 'لالہ' کی مثال کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال کی شاعری میں یہ لفظ کس قدر معنویت رکھتا ہے۔ اور وہ اپنی شاعری کو قوت بخشنے کے لیے اس لفظ کا استعمال کس طرح کرتے ہیں۔ لفظ 'لالہ' کے اعداد و شمار (بانگ درا میں 22 بار، بال جبریل میں 21 بار، اور ضرب کلیم میں محض 8 بار) کے ذریعے فاروقی نے اقبال کی شاعری کے ارتقائی مدارج کا تجزیہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہ بات کہ کوئی کلیدی لفظ کتنی بار استعمال ہوا ہے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ شاعر کو اس لفظ کی معنویتوں سے کتنی دلچسپی ہے۔ اور بالواسطہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے علامتی یا استعاراتی اظہار میں شدت اب کتنی ہے۔ چنانچہ پوری بانگ درا میں لفظ 'لالہ' مرکب یا مفرد شکل میں بائیس بار استعمال ہوا ہے۔ 'بال جبریل' جو 'بانگ درا' کی تقریباً ایک تہائی ہے لیکن اس میں 'لالہ' مرکب یا مفرد شکل میں اکیس بار اور 'ضرب کلیم' (جو بال جبریل کے ہی اتنی ہے) محض آٹھ بار استعمال ہوا ہے۔ 'ارمغان حجاز' کے اردو حصے میں اس کا وقوع صرف تین بار ہے۔... 'بال جبریل' میں 'لالہ' کی کثرت اتنی زیادہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس مجموعے میں اقبال کا ذہن 'لالہ' اور اس کی معنویتوں کی طرف زیادہ مائل تھا۔ 'ضرب کلیم' اور 'ارمغان حجاز' میں اس لفظ کی قلت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگرچہ ان کتابوں میں اقبال، اسلام اور اسلامیوں کے

بارے میں باتیں اتنی ہی شدومد سے کر رہے ہیں جو بالِ جبریل میں تھی لیکن لالہ کے ذکر کی قلت یقیناً کم سے کم اس معنویت کی قلت ہے جس کی طرف یوسف سلیم چشتی نے اشارہ کیا ہے۔[۱۷] اور اگر اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیے کہ 'بالِ جبریل' میں لالہ کا پھول صرف عاشق کی روایتی اور رسمی معنویت کا حامل نہیں بلکہ اس میں کئی پہلو اور بھی ہیں تو اس بات کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ اقبال کا شاعرانہ ارتقا 'بانگِ درا' سے 'بالِ جبریل' تک رسمیاتی سے استعاراتی اور علامتی اظہار کی طرف ہے۔ اور 'بالِ جبریل' کے بعد سے بیانیہ، خطابیہ اور کم معنویت کے حامل اظہار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

بانگِ درا کے شروع میں گلِ لالہ کا وقوع اور اس کی معنویت دیکھنے کے لیے یہ مثالیں ملاحظہ ہوں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیے کہ شروع کی تینتیس نظمیں لالہ کے ذکر سے خالی ہیں۔ اس کا اولین وقوع 'تصویرِ درد' میں ہے اور یہاں رعایتِ لفظی کا کھیل نظر آتا ہے:

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

رعایتِ لفظی صرف لالہ، نرگس اور گل کی نہیں ہے، لطیف تر رعایت لفظ ورق کی ہے جس کا مفہوم پھول کی پنکھڑی بھی ہے اور داستان کا صفحہ بھی۔ دوسری بار لالہ تقریباً اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ جس کی طرف یوسف سلیم چشتی نے اشارہ کیا ہے:

اگر سیاہ دلم داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم گلِ بہارِ توام

تصویرِ درد کے شعر میں بھی لالہ کا پھول شاعر کی داستان کا ورق بن کر ایک طرح کے سوزِ دروں کا حامل نظر آتا ہے لیکن اس میں طنز کی بھی کیفیت ہے کہ لالہ اور گل اور نرگس شاعر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت سلطان جی کے دربار میں دل کی سیاہی لالہ کے داغ کا بدل ٹھہرتی ہے اور سوزِ عشق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ نظم 'محبت' کا آخری شعر بھی لالہ کے داغ سے عشق کے داغ کا تلازمہ قائم کرتا ہے۔ حصہ سوم کی پہلی نظم 'بلادِ اسلامیہ' میں پہلی بار لالہ صحرا کا ذکر اسلام اور اس کی تہذیب کے لیے بظاہر ایک سطحی اور کچھ نامناسب استعارے کے طور پر ملتا ہے۔[۱۸]

فاروقی صاحب طرز نقاد ہیں۔ ادب پر ان کو قدرت حاصل ہے وہ ایسے خواص معانی ہیں جن کے لیے الفاظ کا ہر حرفِ پُر آشوب پایاب ہے۔ ان کی نظر ایسے مفاہیم اور معنی پر پڑتی ہے جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں ہوتی بلکہ اربابِ نظر سے بھی سبقت نظر ہو جاتی ہے۔ ان کی یہی تنقیدی بصیرت کلامِ اقبال کے مطالعے کے دوران بھی جلوہ گر ہے۔ انھوں نے اقبال کے اشعار کے رنگ و آہنگ کے ذریعے جو لفظیاتی نظام مرتب ہوا ہے اس سے روشناس کرایا ہے اور اس نظام کے پس منظر میں جو عوامل کارفرما ہیں ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔ فاروقی نے اقبال کے لفظیاتی نظام کو اردو شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں فاروقی کا بیان ملاحظہ ہو:

''اقبال کا کلام رعایتِ لفظی سے تقریباً اتنا ہی مملو ہے جتنا غالب کا کلام ہے۔ لیکن بوجوہ نقادوں کی نگاہ اس نکتے پر نہیں پڑی۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال کا کلام اپنی انفرادیت کے باوجود اجنبیت کا تاثر اسی وجہ سے نہیں پیدا کرتا کہ وہ اردو شاعری کی بہترین لفظیاتی روایات کا روشن نمونہ ہے۔''[۱۹]

اس سلسلے میں فاروقی نے صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس کی دلیل بھی دی۔ ثبوت کے طور پر انھوں نے اقبال کی نظم 'ذوق و شوق' پیش کی۔ 'ذوق و شوق' کے ہر شعر میں جو لفظی رعایتیں، مناسبتیں اور نکات ہیں فاروقی نے ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس موقع پر شروع کے صرف تین شعر فاروقی کے بیان کردہ نکات و رعایات کی روشنی میں نقل کیے جاتے ہیں:

''ذوق و شوق کی کامیابی کا راز رعایت اور مناسبت کا یہی التزام ہے جس پر مستزاد یہ کہ الفاظ بلکہ مصرعوں میں گزشتہ کی بازگشت یا آئندہ کی پیش آمد بہت ہے۔

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

حسبِ ذیل رعایتوں پر غور کیجیے: نظر، چشمہ، ندیاں، رواں، دشت، چشمہ، ندیاں۔ چشمہ، صبح، نور، نظر۔ زندگی (رواں بہ معنی جان) نظر، آفتاب۔ الفاظ کے الٹ پھیر سے متعدد تراکیب بنتی ہیں جو مناسب اور بامعنی ہیں۔ مثلاً نورِ نظر، قلبِ دشت، چشمۂ زندگی، آفتابِ صبح، نورِ صبح وغیرہ۔

حسنِ ازل کی ہے نمود چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں

نکات و رعایات: حسن، نمود، پردہ، وجود، نمود۔ چاک، صبح۔ ازل، نور، نگاہ کا زیاں اور چشمۂ آفتاب (یعنی سورج کو دیکھ کر آنکھ خیرہ ہو جاتی ہے)، پردۂ وجود کا چاک ہونا اور روشنی کا پردے سے نکلنا یعنی آفتاب کا افق پر ظاہر ہونا۔ ہزار، ایک۔ حسنِ ازل اور نور کی ندیاں۔ ازل سے ذہن زوال کی طرف منتقل ہوتا ہے، بمعنی پرانا، سفید۔ زندگی، وجود۔ داخلی قافیہ (نمود، وجود، سود)

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں

نکات و رعایات: ہزار، سود، رنگ برنگ، نور کی ندیاں، سرخ و کبود، طیلساں، بمعنی رنگین ریشمی نرم چادر اور بمعنی لسان، بولنے میں ماہر، سحاب بمعنی بادل، جو گرجتا ہے، اس کے اعتبار سے طیلساں بمعنی لسان کا اشارہ نامناسب نہیں۔ داخلی قافیہ چھوڑ گیا، دے گیا، سرخ و کبود پچھلے شعر کے داخلی قافیوں سے ہم آہنگ ہیں۔''[۲۰]

فاروقی اقبال کو بہ حیثیت شاعر صرف یہ کہ عظیم سمجھتے ہیں بلکہ فنکاری میں ان کو یکتا قرار دیتے ہیں اور دو ٹوک الفاظ میں یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ فنکاری میں اقبال کا کوئی بدل ہو ہی نہیں سکتا۔[۲۱]

فاروقی نے اقبال کی شاعری کا معروضی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور عالمانہ حیثیت سے اقبال کے فنی محاسن کا تجزیہ کرتے ہوئے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ روشِ عام سے مختلف ہیں۔ فاروقی نے ان نقادوں اور شارحینِ اقبال پر استدراک کیا ہے جو اقبال کی شاعری پر ان کے فلسفے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ان کے شعری پیکر کو فلسفیانہ موشگافیوں سے تار تار کرتے ہیں۔ اور اس بات پر مصر رہتے ہیں کہ اقبال حکیم الامت، مفکرِ اسلام اور فلسفی ہیں۔ فاروقی نے اس طرزِ فکر کو شاعری کے تفاعل سے متصادم قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شعر میں بیان کردہ افکار کو قابلِ قبول ٹھہرانا اور اس وجہ سے شعر کو اچھا کہنا دراصل شاعری کے تفاعل اور اس کی حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ شاعرانہ سچائی کی شرطیں وہ نہیں ہیں جو سائنسی سچائی کی ہیں۔''[۲۲]

بلاشبہ اقبال کی نظر دنیا کی مختلف تہذیبوں پر تھی۔ قدیم علوم و فنون کے اسرار و رموز سے وہ واقف و باخبر تھے۔ ادیانِ عالم کا عمیق مطالعہ تھا اور فلسفہ سے گہری وابستگی تھی۔ یہ عناصر اقبال کی شاعری کو سیراب تو کرتے ہیں اور اس کو موثر بناتے ہیں لیکن بجائے خود یہ عناصر اقبال کی شناخت نہیں بن سکتے اور ان کو عظمت کا تاج نہیں پہنا سکتے۔ اقبال کی عظمت و فضیلت ان کے شعری اسالیب کی رہینِ منت ہے۔ فلسفے سے اقبال کی واقفیت ان کی شاعری کے پس منظر میں ہے۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ افکار کو اقبال کے الفاظ سے جلا ملی۔

اقبال کی شاعری میں فلسفہ نام کی کوئی چیز ہے، فاروقی کو اس میں اشتباہ ہے۔ فاروقی کا موقف یہ ہے کہ جو خیالات و افکار اقبال کی نظموں میں بیان ہوئے ہیں اگر ان کو الگ سے بیان کیا جائے تو وہ بے روح معلوم ہوں گے۔ فاروقی نے فنی نقطۂ نظر سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال عظیم شاعر تھے اور ان کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ لیکن فلسفی کی حیثیت سے اقبال کی عظمت کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ فاروقی نے اپنے نظریے کی تائید میں کلامِ اقبال سے داخلی شہادتیں بھی پیش کی ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ منطقی استدلال کے ذریعے ان خطرات و مضرات سے بھی آگاہ کیا جو اقبال کو فلسفی ماننے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس مسئلے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فاروقی کی تحریر سے براہِ راست استفادہ کیا جائے، فاروقی لکھتے ہیں:

''حوالے یا کسی لفظ کے کوئی مخصوص معنی جو شاعر کو معلوم رہے ہوں ان چیزوں پر تفحص کرنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن 'مسجدِ قرطبہ' اگر اس لیے اہم یا اچھی نظم ہے کہ اس میں برگساں یا کسی اور کے خیالات کا انعکاس ملتا ہے تو میں اس کو نظم ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ فن پارے کی خوبی یا پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا بدل ممکن نہیں ہوتا۔ اگر مجھے برگساں یا نطشے پڑھنے سے بھی وہ حاصل ہو جائے جو اقبال میں ملتا ہے تو میں بے تکلف اقبال کو بالائے طاق رکھ دوں گا کیوں کہ برگساں یا نطشے کا فلسفہ اپنی اصل میں برگساں یا نطشے کے یہاں ہی ملے گا اقبال کے یہاں نہیں۔ اگر میں ردیف قافیہ کا دلدادہ ہوں تو اقبال کی طرف دوڑوں گا کہ دیکھوں برگساں یا نطشے کی منظوم شکل کیا ہوتی ہے۔ لیکن مجھے یہاں مایوسی ہو گی کیوں کہ اقبال کی شاعری میں برگساں وغیرہم کا فلسفہ مجھے منظوم شکل میں نظر نہ آئے گا۔

'فلسفیٔ' اقبال کے وکیل کہیں گے کہ اقبال کی شاعری برگساں یا کسی اور فلسفی کی منظوم شکل نہیں ہے بلکہ ان کے یہاں کئی فلسفیوں اور مفکروں کے خیالات کا جوہر یا عکس یا اثر ملتا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری میں نئی طرح کا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ کہیں گے کہ اقبال کی شاعری ان مفکرین کی تحریروں کا بدل نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ ان مفکروں کے حوالے سے اس شاعری کو پڑھیں گے تو اس کا صحیح لطف (یا کم سے کم ایک نئی طرح کا لطف) حاصل ہوگا۔

یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس میں بعض خطرات بھی ہیں۔ جن کو 'فلسفیٔ' اقبال کے وکلا تقریباً ہمیشہ نظر انداز کر جاتے ہیں۔ سب سے پہلا خطرہ تو یہ ہے کہ جہاں آپ نے کسی فلسفے کا مطالعہ شروع کیا، آپ اس کے صحیح یا غلط ہونے کے سوال میں الجھ جاتے ہیں اور جب آپ شاعری کو فلسفے کے حوالے سے پڑھتے ہیں تو اس میں بھی فلسفے کے صحیح یا غلط ہونے کے حوالے سے خوبی یا خرابی کا حکم لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ فلسفے کا صحیح یا غلط ہونا شاعری کے صحیح یا غلط (یا اچھے یا برے) ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔ بعض نقاد مثلاً گریہم ہف (Graham Hough) کہتے ہیں کہ کسی نظم کے معنی محض اس حوالے (یعنی خیال) میں نہیں ہوتے جو اس میں بیان ہوتا ہے، بلکہ نظم کے معنی ایک کثیر الجہت پیچیدہ دھاگے کا حکم رکھتے ہیں۔ یہ نظریہ ان نظریات سے بہرحال بہتر ہے جو نظم کے بارے میں 'فلسفیانہ سچائی' کی بات کرتے ہیں۔ کیوں کہ نظم

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

دہلی کے اسکولوں میں اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کو پُر کیے جانے کا مطالبہ

اعلا سطحی وفد کی وزیر تعلیم کرن والیہ سے ملاقات

نئی دہلی (۱۰ ستمبر)۔ قومی راجدھانی دہلی کے اسکولوں میں اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کو پُر کیے جانے کے سلسلے میں سرکاری اعلانات کے باوجود اس پر عمل درآمد نہ ہونے، بیورو کریسی کی طرف سے اس میں رخنہ پیدا کرنے اور ٹی میٹ امتحان کی شرط نافذ کرنے کے سلسلے میں پیدا ہونے والی صورت حال کے مدنظر آج دہلی کی وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ کے دفتر میں ایک اعلا سطحی میٹنگ کا انعقاد کیا گیا جس میں وزیر تعلیم کے علاوہ ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے سینئر افسر ڈی ورما (آئی اے ایس)، اردو اکادمی دہلی کے وائس چیئرمین پدم شری پروفیسر اختر الواسع، اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی و دیگر افسر موجود تھے۔ قابل ذکر ہے کہ اب یہ کہا جانے لگا ہے کہ افسر جان بوجھ کر اس معاملے میں تاخیر کر رہے ہیں تاکہ دہلی اسمبلی انتخابات کے ضابطۂ اخلاق کا اعلان ہو جائے اور یہ معاملہ ایک بار پھر التوا میں چلا جائے۔ اعلا سطحی میٹنگ میں پروفیسر اختر الواسع نے اردو اساتذہ کی تقرری میں مسلسل ہو رہی تاخیر پر تشویش کا اظہار کیا اور وزیر تعلیم کرن والیہ کو یاد دلایا کہ انھوں نے تقریباً دو ماہ قبل یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ 200 گیسٹ ٹیچر کے ساتھ سرو شکشا ابھیان کے تحت 200 مزید جزوقتی اردو اساتذہ کی تقرری کی جائے گی اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ لیکن یہ معاملہ سرکاری خانہ پُری میں دب کر رہ گیا ہے۔ پروفیسر اختر الواسع نے اس سلسلے میں دہلی کی وزیر اعلا شیلا دکشت اور پروفیسر کرن والیہ کو ایک مکتوب بھی تحریر کیا جس میں اردو اساتذہ کی تقرری میں پیدا کی جانے والی رکاوٹوں کی تفصیلات تحریر کی گئی ہیں۔ میٹنگ میں وزیر موصوف کی توجہ گریجویشن میں دو سال اردو پڑھنے والے امیدواروں کی درخواست رد کیے جانے کی طرف بھی مبذول کرائی گئی۔ پروفیسر اختر الواسع نے اس کے لیے ڈائرکٹوریٹ کی اس پالیسی پر تنقید کی کہ ان امیدواروں کے فارم صرف اس بنا پر تسلیم نہیں کیے گئے کہ انھوں نے بی اے میں صرف دو سال اردو پڑھی ہے۔ بعد ازاں وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ نے یقین دلایا کہ وہ فوری طور پر ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کو ہدایت جاری کریں گی کہ اس سلسلے میں فوری کارروائی کی جائے۔ انیس اعظمی نے وزیر تعلیم کو بتایا کہ معاشرے میں اردو اساتذہ کی تقرری میں تاخیر کی وجہ سے غم و غصہ ہے۔ اس موقعے پر ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے اعلا افسر نے یقین دہانی کرائی کہ تین چار روز میں اردو اساتذہ کی تقرری کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو اساتذہ کے تبادلے پر احتجاج

طلبہ کی تعلیم متاثر ہونے کا خطرہ

رانچی، جھارکھنڈ (۹ ستمبر)۔ رانچی یونیورسٹی کے مختلف کالجوں کے طلبہ میں اردو اساتذہ کے تبادلے پر غم و غصہ ہے۔ رانچی یونیورسٹی کے پی جی اردو ڈپارٹمنٹ نے فوراً اساتذہ کے تبادلے کو واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ ڈورنڈا کالج میں جھارکھنڈ چھاتر سنگھ نے اردو کی ٹیچر کہکشاں پروین کے تبادلے کو واپس لینے کا مطالبہ کرتے ہوئے کالج احاطے میں احتجاج کیا۔ اسد فیروز نے کہا کہ اس تبادلے سے شعبۂ اردو میں پڑھائی متاثر ہوگی۔ ادھر رانچی یونیورسٹی پی جی اردو ڈپارٹمنٹ کے طلبہ نے کہا ہے کہ اگر اساتذہ کے تبادلے کو فوراً واپس نہیں لیا گیا تو اس کے خلاف تحریک چلائی جائے گی۔ رانچی کالج سے رام لکھن کالج میں تبادلہ کیے گئے ڈاکٹر آغا ظفر نے بتایا کہ رانچی کالج میں میرے انڈر میں کئی طلبہ زیر تعلیم تھے۔ اب جس کالج میں میرا ٹرانسفر کیا گیا ہے وہاں نہ تو اردو کے طلبہ ہیں اور نہ ہی کلاس روم ہے۔ ایسی حالت میں وہاں ٹرانسفر کیا جانا طلبہ کے ساتھ ساتھ ہمارے ساتھ بھی زیادتی ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

معید رشیدی کو سال ۲۰۱۳ کے لیے ساہتیہ اکادمی یووا ایوارڈ

نئی دہلی۔ معید رشیدی کو ساہتیہ اکادمی یووا ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ معید رشیدی کو یہ انعام ان کی کتاب 'تخلیق، تخئیل اور استعارہ' کے لیے دیا گیا ہے۔ اب تک ان کی چار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں ایوارڈ یافتہ کتاب کے علاوہ 'وحشت: حیات اور فن' اور 'مومن خاں مومن: حیات اور مطالعاتی ترجیحات' قابل ذکر ہیں۔ معید رشیدی کو جس کتاب پر اس انعام سے نوازا گیا ہے وہ کتاب تخئیل، استعارہ جیسے عام مباحث پر مشتمل ہے۔ معید رشیدی فی الحال قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی میں ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں ساتھ ہی ماہنامہ 'کائنات' سے بھی بطور معاون مدیر منسلک ہیں۔ یہ ایوارڈ جو پچاس ہزار روپیوں اور توصیفی سند پر مشتمل ہے، ان مستحقین کو دیے جا رہے ہیں جن کی عمر 35 سال سے کم ہے۔

(آبشار، کلکتہ)

بزم اردو ناگ پور کی ماہانہ نشست

ناگ پور (ڈاک سے)۔ ناگ پور میں کالج کے اردو، عربی اور فارسی کے اساتذہ کی ادبی انجمن 'بزم اردو' کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست ۲۵ اگست ۲۰۱۳ کو منعقد کی گئی، جس میں مختلف کالجوں کے اساتذہ کرام نے شرکت کی۔ نشست کی صدارت انجمن گرلز کالج کی صدر شعبۂ فارسی ڈاکٹر ناہید سوری نے کی۔ ناگ پور یونیورسٹی میں اردو بورڈ آف اسٹڈی کے چیئرمین ڈاکٹر اظہر حیات نے اپنا مقالہ 'لطف الرحمن: حیات و شخصیت' پیش کر کے نشست کا آغاز کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صبیحہ خورشید نے اپنا مقالہ 'اردو میں ماہیہ نگاری کی اہمیت وافادیت' پڑھا، پروفیسر محمد اسرار نے 'جنگِ آزادی میں علما کا کردار' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا اور آخر میں ڈاکٹر اظہر ابرار نے اپنا مقالہ 'قرۃ العین حیدر: ایک عظیم تخلیق کار' سنایا۔

آخر میں صدرِ محفل نے تمام مقالوں پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ نظامت کے فرائض پروفیسر محمد اسرار نے انجام دیے۔ جلسے میں ڈاکٹر انجم آرا، ڈاکٹر ناہید سوری، ڈاکٹر صبیحہ خورشید اور صبیحہ مومن کے علاوہ دیگر اساتذہ نے بھی شرکت کی۔ ڈاکٹر صبیحہ خورشید کے شکریے کے بعد نشست اختتام پذیر ہوئی۔

(پریس ریلیز بزم اردو ناگ پور)

پروفیسر لطف الرحمن کے انتقال پر

غالب انسٹی ٹیوٹ میں تعزیتی میٹنگ

نئی دہلی (۸ ستمبر)۔ عہد حاضر کے معروف نقاد، ادیب اور سیاسی رہنما پروفیسر لطف الرحمن کے انتقال پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ پروفیسر لطف الرحمن کے انتقال سے علمی اور ادبی دنیا کو جو خسارہ ہوا ہے اسے پُر کرنا ہم سب کے لیے بے حد مشکل ہے۔ اردو تنقید کو انھوں نے اپنی فکر انگیز تحریروں سے جن بلندیوں پر پہنچایا اسے ہماری ادبی تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ پروفیسر لطف الرحمن کی علمی استعداد کا اندازہ ان معنوں میں لگایا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف اردو زبان و ادب میں ملکہ رکھتے تھے بلکہ فارسی تاریخ و ادب پر بھی ان کو کافی عبور تھا۔ فردوسی، سعدی، جامی اور مولانا روم کے فارسی اشعار آپ کے مضامین میں ہمیں برابر دکھائی دیتے ہیں۔ ایسی شخصیتیں ظاہری طور پر تو دارِ فانی سے کوچ کر جاتی ہیں مگر اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے تاریخ انھیں ہمیشہ یاد کرتی ہے۔

غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب شاہد ماہلی نے بھی اپنے تعزیتی پیغام میں مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ سے ان کا گہرا تعلق رہا ہے۔ یہاں کے سمیناروں میں مرحوم بڑی دلچسپی سے شرکت کرتے تھے اور ان کی موجودگی سے سمینار کے وقار میں اضافہ ہوتا تھا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نے پروفیسر لطف الرحمن کی علمی خدمات کے اعتراف میں اپنے سب سے اہم اعزاز (غالب ایوارڈ) سے بھی سرفراز کیا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ مرحوم کے درجات میں اضافہ ہو اور اللہ ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

(پریس ریلیز غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی)

اردو کتابوں کی تقسیم کے تئیں افسران کی لاپروائی

وقت پر کتابیں دستیاب نہ کرانے سے طلبہ کی تعلیم متاثر

اورائی، سیتامڑھی (یکم ستمبر)۔ اردو میڈیم اسکولوں کا کسی نہ کسی مسائل سے دوچار ہونا جیسے ان کی قسمت بن گئی ہے۔ انتظامیہ اور افسران کی عدم دلچسپی کی انتہا یہ ہے کہ اردو اسکولوں میں سرکار کی جانب سے طلبہ کو تمام اردو کتابیں دستیاب نہیں کرائی جاتیں اور جب کسی دباؤ کے سبب طلبہ کو کتابیں تقسیم بھی کرائی جاتی ہیں تو اس میں ترتیب نظرانداز کر دی جاتی ہے۔ اردو میڈیم اسکولوں میں پڑھ رہے طلبہ کے سرپرستوں کے مطابق گزشتہ سال اورائی بلاک میں اردو کی کتابیں تقسیم نہیں کی گئیں اور اس سال جو کتابیں دی گئی ہیں ان میں پہلی، دوسری کلاس کی کتابیں دی گئی ہیں اور چوتھی کلاس کے طلبہ کو تیسری کلاس کی کتاب دے دی گئی ہے۔ نیا گاؤں پنچایت کے تحت پرائمری اسکول بیتا تھوہیشی اردو میڈیم میں جب اردو کی کتابیں تقسیم کی گئیں تو اس وقت پنچایت کے مکھیا بابر علی راعین بھی وہاں موجود تھے۔ اردو کتابوں کی تقسیم میں افسران کی طرف سے اس لاپروائی پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ ایک المیہ ہے اردو طلبہ کے ساتھ کیوں کہ جس میڈیم سے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں انھیں اسی زبان کی کتابیں وقت پر دستیاب نہ ہوں تو انتظامیہ و سرکاری افسران کی اردو کے تئیں ایمانداری پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بلاک سطح پر بھی اس طرح کی شکایت کئی اردو اسکولوں کے اساتذہ نے کی جس میں لطفی الرحمن، مجاہد حسن، مظفر امام اور حزیلہ پروین قابل ذکر ہیں۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اردو خواندگی مراکز کے انسٹرکٹروں کی وزیر اعلا سے فریاد

اعلان کیے باوجود ابھی تک اضافی تنخواہ نہ دیے جانے کا شکوہ

نئی دہلی (۳۰ راگست)۔ اردو اکادمی دہلی کے زیر اہتمام جاری اردو خواندگی مراکز کی تقریباً 25 خواتین انسٹرکٹروں نے آج وزیر اعلا شیلا دکشت سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کرکے ان سے اعلان شدہ اضافی تنخواہ اب تک ادا نہ کیے جانے کی شکایت کی۔ وزیر اعلا نے انھیں مناسب اقدام کی یقین دہانی کرائی ہے۔ وزیر اعلا شیلا دکشت کی رہائش گاہ پر آج صبح شمال مشرقی دہلی کے گھونڈہ، جعفر آباد، چاند باغ اور مصطفی آباد وغیرہ میں جاری اردو اکادمی کے اردو خواندگی مراکز کی انسٹرکٹروں نے ملاقات کی اور انھیں بتایا کہ ان کی تنخواہ میں جس اضافے کا اعلان کیا گیا تھا وہ انھیں ابھی تک نہیں دیا گیا۔ اس پر وزیر اعلا نے کہا کہ آپ لوگ اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع سے جاکر ملیے اور وہ ان سے بات کریں گی۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' نے اس سلسلے میں اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی سے بات کی تو انھوں نے کہا کہ وزیر اعلانے ۲۰۱۲ میں جس اضافے کا اعلان کیا تھا وہ ۲۰۱۳ میں دے دیا گیا ہے لیکن جو اعلان ۲۰۱۳ میں ہوا ہے اس پر عمل تو آئندہ مالی سال میں ہی کیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں سرکار کی جانب سے پیسے ملے گا تو ہم ادا کریں گے۔ انھوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ اردو اکادمی کے پلان بجٹ میں کسی طرح کا کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے بلکہ جو اضافی رقم ملی تھی وہ اساتذہ کی اضافی تنخواہوں کا اریئر ادا کرنے کے لیے دی گئی تھی۔ اکادمی نے وہ اریئر ادا کردیا۔ واضح ہو کہ دہلی سرکار نے اس مالی سال میں جہاں سنسکرت اکادمی کا بجٹ ڈیڑھ گنا کردیا ہے وہیں دوسری کسی بھی زبان کی اکادمی کے بجٹ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کام کے لحاظ سے دیکھیں تو سب سے زیادہ کام اردو اکادمی میں ہوتا ہے لیکن اس کے بجٹ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

گورکھپور میں اردو کی صورتِ حال

گورکھپور (۲۹ راگست)۔ مجنوں گورکھپوری، مہدی افادی، کیفر گورکھپوری، مجنوں گورکھپوری، ہندی گورکھپوری اور فراق گورکھپوری کے علاوہ فضل حق خیر آبادی اور بہت سے معروف لوگوں نے سرزمین گورکھپور میں اردو کے گیسو سنوارے اور آج بھی یہاں کے لوگ اپنی استطاعت بھر اردو کی خدمت انجام دے رہے ہیں، لیکن اب تو ایسا لگتا ہے کہ اردو کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جارہا ہے۔ ہندستان ایک جمہوری ملک ہے جہاں سبھی زبانوں کو فروغ دینے کی بات آئین میں شامل ہے، لیکن گورکھپور کا آل انڈیا ریڈیو جو آزادی کے بعد آکاش وانی بن گیا، اردو پروگرام سے لاتعلقی کا اظہار کیے ہوئے ہے۔

معروف ادیب و شاعر عاصم رؤف کہتے ہیں کہ کئی برسوں سے آکاش وانی گورکھپور سے اردو کے نئے پروگرام بننے، مشاعرے ہونے وغیرہ بند ہوگئے ہیں، بس پرانے ریکارڈ کیے گئے ہی پروگرام استعمال کیے جارہے ہیں۔ فراق گورکھپوری کے یوم پیدائش پر بھی آکاش وانی نے کوئی نیا پروگرام ریکارڈ نہیں کیا۔ اس صورت حال پر دبستان گورکھپور کی انجمنوں نے متحد ہوکر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کیا۔ عاصم رؤف نے بتایا کہ اس سلسلے میں آج جمال سامانی کی رہائش گاہ پر میٹنگ ہوئی جس میں ۹ افراد پر مشتمل ایک ایکشن کمیٹی عمل میں آئی جس میں انور ضیا، نسیم سلیم پوری، ندیم عباسی، شمیم شہزاد، انوار الحسن انوار، جلال سامانی، خورشید عالم قریشی شامل ہیں، اس کا نام ادبی محاذ رکھا گیا ہے۔ اس کے دو سرپرست ہیں، معروف صحافی اور اردو کے عاشق مینش اشک اور بزرگ اور استاد شاعر جالب نعمانی۔ عاصم رؤف نے بتایا کہ میٹنگ میں طے کیا گیا کہ کارگزار انجمن ڈائرکٹر سے ایک وفد ملاقات کرے گا اور اردو پروگراموں کی زبوں حالی کے بارے میں ان سے دریافت کیا جائے گا، اس کے بعد آر ٹی آئی کے ذریعے معلوم کیا جائے گا کہ اردو کے نام پر آنے والے فنڈ کو کس جگہ استعمال کیا جارہا ہے۔ مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات منیش تیواری سے بھی ایک وفد ملاقات کرے گا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

چندن نگر گورنمنٹ کالج میں شعبۂ اردو کے قیام کے لیے جدوجہد

ہگلی، مغربی بنگال (۲۶ راگست)۔ مغربی بنگال کے ہگلی اضلاع میں سے صرف چنسورہ کے حاجی محمد محسن کالج میں اردو آنرس شعبہ قائم ہے جو طلبہ کی تعداد کے مدنظر ناکافی ہے۔ اس لیے بہت دنوں سے کوشش کی جارہی تھی کہ چندن نگر کے گورنمنٹ کالج اور موگرا کے گوپال بنرجی کالج میں بھی شعبۂ اردو قائم ہو اور اردو کی تعلیم دی جائے، مگر اس میں پوری کامیابی نہیں ملی۔ لیکن گزشتہ سال چندن نگر کے گورنمنٹ کالج میں ترنمول کانگریس چھاترا پریشد کو کامیابی ملی اور وصی حسن کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا ہے۔ وصی حسن کی کوششوں سے اردو طلبہ کی تعداد بھی بڑھی ہے۔ اس لیے اردو طلبہ کی تعداد کو دیکھتے ہوئے انھوں نے چندن نگر اسمبلی حلقے کے ایم ایل اے اشوک کمار شاؤ اور کالج کے پرنسپل ڈاکٹر دیبے کمار رائے اور ہگلی ضلع چھاترا پریشد کے صدر سوجیت ساؤ سے گزارش کی کہ وہ اس کالج میں اردو آنرس کی تعلیم شروع کرائیں۔ اس پر ایم ایل اے اشوک کمار ساؤ اور سوجیت ساؤ نے اپنی پوری رضامندی ظاہر کی اور اردو آنرس کے قیام کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔

(آبشار۔ کلکتہ)

اردو اسکولوں کے طلبہ کے لیے مفت کوچنگ کلاسز

نئی دہلی (۱۰ ستمبر)۔ اینگلو عربک اسکولز اینڈ اولڈ دہلی کالج کے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی طرف سے اس سال بھی اردو میڈیم اسکولوں میں زیر تعلیم نویں کلاس سے بارہویں کلاس تک کے طلبہ و طالبات کے لیے مفت کوچنگ کلاسز کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان مفت کوچنگ کلاسز کے لیے دریا گنج کے بچوں کا گھر میں واقع حکیم اجمل خاں سینئر سیکنڈری گرلز اسکول میں رجسٹریشن کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ یہاں سہ پہر تین بجے سے شام پانچ بجے تک طلبہ و طالبات اپنا رجسٹریشن کرا سکتے ہیں۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۱۹ رستمبر ہے۔ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری محمد سلیم کے مطابق مفت کوچنگ کلاسز دو شفٹوں میں چلائی جائیں گی۔ پہلی شفٹ میں سہ پہر تین بجے سے پانچ بجے تک لڑکیوں کو کوچنگ دی جائے گی، جب کہ شام ساڑھے پانچ بجے سے شام ساڑھے سات بجے تک لڑکوں کو پڑھایا جائے گا۔ یہ کلاسز ۲۳ ستمبر سے شروع ہوں گی اور ۲۸ رفروری تک چلیں گی۔ محمد سلیم نے بتایا کہ اردو میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کو مفت کوچنگ دینے کا یہ اٹھارہواں سال ہے اور اس کے کافی مثبت نتائج سامنے آئے ہیں۔ نتائج کے مطابق اس سال سے کوچنگ کلاسز میں گرامر کو سب کے لیے لازمی کردیا گیا ہے۔ ان مفت کوچنگ کلاسز میں فی الحال 350 بچوں کو داخلہ دیا جائے گا جن میں 175 لڑکیاں اور 175 لڑکے شامل ہوں گے۔ کوچنگ کی چار کلاسز میں سائنس، کامرس اور آرٹس اسٹریم کے مضامین پڑھائے جائیں گے جن میں انگریزی، حساب، سائنس اور سوشل اسٹڈی بھی شامل ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ضلع کریم نگر میں اردو زبان کا دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے نفاذ نہیں

کریم نگر (۱۸ راگست)۔ آندھرا پردیش سرکاری زبان ترمیمی قانون ۲۰۰۹ء کے تحت سرکاری حکم نامے کی اجرائی عمل میں لاتے ہوئے 15 اضلاع بہ شمول کریم نگر اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف دیا گیا تھا۔ بعد ازاں مختلف فروغ اردو تنظیموں کی جانب سے کریم نگر ضلع کے کلکٹر کو یادداشتیں پیش کی گئی تھیں۔ نمائندہ 'سیاست' کی جانب سے خصوصی انٹرویو کے دوران کلکٹر محترمہ اروندا نے ضلع میں اردو کی عمل آوری کی طرف توجہ دینے کا یقین دلایا تھا۔ ضلع میں اردو میں درخواستوں کے حصول اور اس کا تلگو یا انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے متعلقہ عہدیداروں کے علم میں لائے جانے کے بعد اس کا جواب بھی متعلقہ درخواست گزار کو اردو میں دینے کے لیے ضلع کے ریاستی وزیر ڈی سریدھر بابو کی ہدایت پر اس وقت دو اردو مترجمین کی اسامیوں پر تقررات کے ضمن میں صرف ایک مترجم کا تقرر کیا گیا تھا اور پھر بھی محکمہ تعلیمات میں ڈائنٹ پر برسرِ خدمت ملازم کو ڈیپوٹیشن پر متعین کیا گیا۔ چنانچہ آج تک وہ ایک ہی مترجم صرف محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ میں سرکاری خبروں کا اردو میں ترجمہ کرتے ہیں یعنی کلکٹر یا کسی اور اعلا عہدیدار کی مصروفیات کو اردو اخبارات تک پہنچانے کا صرف ذریعہ بن کر رہ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مترجم کے ذمے اور کوئی کام نہیں ہے، حالاں کہ اس وقت کی کلکٹر سی ڈی اروندا نے سبھی محکموں کو اردو دوسری سرکاری زبان پر عمل آوری کی ہدایت دی تھی۔ اس حکم نامے میں تمام سرکاری دفاتر پر اردو میں سائن بورڈ، سرکاری نیم سرکاری اداروں کے بہ شمول آر ٹی سی بسوں، پلیٹ فارموں پر اردو تحریر اور ہر ادارے میں اردو میں درخواستوں کا حصول اور اردو میں ہی جواب دینے کو یقینی بنائے جانے کے اقدام کی پابندی کا حکم دیا تھا لیکن ان احکام پر عمل آوری نہیں ہے۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

◆◆◆

اک دیا اور بجھا

اردو کے مشہور و ممتاز ادیب، شاعر اور صحافی ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی کا یکم ستمبر ۲۰۱۳ کو شاہین باغ (دہلی) میں واقع ان کی رہائش گاہ سے اسپتال لے جاتے وقت حرکتِ قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۷۶ برس تھی۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ، تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ ڈاکٹر عبدالباری ۱۱ رستمبر ۱۹۳۷ء کو ناندہ، رشیش آباد میں پیدا ہوئے۔ گورکھپور یونیورسٹی سے انگریزی اور اردو میں ایم اے کیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ درس و تدریس سے وابستہ ہوگئے، بعد میں وہ کے این آئی پی جی کالج سلطان پور اور اودھ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو رہے۔ وہ تقریباً ساٹھ کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی ایک کتاب 'اسماء الحسنیٰ' جس کا اجرا ملیشیا کے سابق نائب وزیر اعظم ڈاکٹر انور ابراہیم نے کیا تھا۔ انھوں نے ناندہ سے ماہنامہ 'دوام' اور بعد میں 'دوام نو' جاری کیا۔ ڈاکٹر شبنم سبحانی ماہنامہ 'پیش رفت' دہلی کے ایڈیٹر کے علاوہ آل انڈیا ملی کونسل کے ماہنامہ 'ملی اتحاد' کے بھی مدیر کی ذمہ داریاں ادا کررہے تھے۔ وہ مختلف ادبی اور ملی تنظیموں سے وابستہ رہے تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

○

بنگلور۔ اردو کے مشہور و ممتاز صحافی اور ہفت روزہ 'نشیمن' کے اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب شاہ امیر اللہ نظامی کا ۴ ستمبر ۲۰۱۳ کو انتقال ہوگیا، وہ ۸۳ برس کے تھے۔ نظامی صاحب مرحوم نے جناب عثمان اسد مرحوم کے ساتھ کرناٹک سے ہفت روزہ 'نشیمن' کا آغاز ۲۹ جنوری ۱۹۹۲ کو کیا تھا۔ نظامی صاحب واحد شخص ہیں جنھوں نے 'نشیمن' کو روزِ اول سے اپنے قلم سے سنبھالا اور اس کی باقاعدہ اشاعت کو جاری رکھا۔ شاہ امیر اللہ نظامی بہت ہی خوش مزاج، نیک طینت اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے، ہر صحافی سے وہ بڑے خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

◆◆◆

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : تم اب بھی...؟
مصنف : سراج فاروقی
اشاعت : ۲۰۱۳ء
ضخامت : ۱۶۰ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ناشر : نیو ٹاؤن پبلشرز
۷۷ اے اے، عائشہ منزل
پائپ روڈ، کرلا، ممبئی-۷۰
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
(deepak.budki@gmail.com)

سراج الدین فاروقی (قلمی نام: سراج فاروقی) کا افسانوی مجموعہ 'تم اب بھی...؟' حال ہی میں منصۂ شہود پر آچکا ہے۔ موصوف کا جنم ہو نومبر ۱۹۶۹ء کو جہاداں، الہ آباد میں ہوا مگر روزگار کے سلسلے میں پٹیل ودائے گڑھ، مہاراشٹر کو وطن ثانی بنالیا۔ ۱۹۸۶ء میں ان کی پہلی کہانی ہندی روزنامہ 'آج کا آنند' پونہ میں شائع ہوئی کیوں کہ اردو رسالوں اور مدیروں کی بے اعتنائی اور حوصلہ شکنی سے دل بھر گیا تھا۔ اس کے بعد وہ تسلسل سے ہندی روزنامہ 'نو بھارت' میں چھپتے رہے۔ کافی عرصے بعد اردو ادب کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئے۔

زیر نظر مجموعے کے دیباچے 'پیش آغاز' میں م۔ ناگ ان کے افسانوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "ان کی کہانیاں متوسط طبقے کے کرداروں کی کہانیاں ہیں۔ ان کہانیوں میں رشتوں کی شکست و ریخت، عصری حسیت اور جینے کے لیے جد وجہد کی بو بولتی ہے۔" اپنی کہانیوں میں سراج فاروقی نے اپنے وقت اور سماج کے مسائل کو اٹھایا ہے۔ ان کی اکثر کہانیوں میں رشتے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں جس میں عورت کی نسوانیت اولیت رکھتی ہے۔" مجموعے میں سترہ کہانیاں شامل ہیں جن سے مقصدیت کے علاوہ رومانیت اور جذباتیت صاف طور پر جھلکتی ہے۔ افسانہ نگار نے غریبوں کی ضعیف الاعتقادی، دہشت گردی، پولس کی جبریت، مسلمانوں پر اتہام، عصمت کا سودا، تحقیق عورت کا استحصال، ڈاکٹری فرض، استیہ و استیہ کی لڑائی، انتخابات میں غنڈہ گردی، ایڈز کے باوجود عشق کا مستحکم رہنا، دیہاتی جنگ، وہابی کی برأت اور سنو میڈیا جیسے موضوعات پر افسانے رقم کیے ہیں۔ کئی افسانے فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر بھی لکھے گئے ہیں جن میں ایک فرقے کا آدمی اپنی جان کی بازی لگا کر دوسرے فرقے کے آدمی یا عورت کو بچالینے میں کامیاب ہوتا ہے۔ الغرض افسانوں میں موضوعاتی تنوع ملتا ہے۔

افسانوں کی زبان میں سلاست بھی ہے اور روانی بھی۔ مکالمے کا اچھا استعمال کیا گیا ہے۔ مکالمے چست اور روزمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجموعے کے سبھی افسانے پڑھنے کے لائق ہیں اور قاری کی دل چسپی برقرار رکھتے ہیں۔ البتہ پختہ کاری کے لیے مزید مشاہدے اور مطالعے کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ سراج فاروقی اپنی کوششیں جاری رکھیں گے اور مستقبل میں بھی ادب کی یوں ہی خدمت کرتے رہیں گے۔

●●●

بقیہ: کلیدی خطبہ

صفحہ ۸ سے آگے

پر غزل کی شامیں، یہ مشاعروں کی راتیں، یہ داستان سرائیاں، یہ نقد و نظر کے بازار — اور گنگا جمنی تہذیب ابھی تک موجود ہے جب تک اردو کی تعلیم و تدریس میں اردو والے اور حکومت کھاد اور پانی لگاتے رہیں۔ مضبوط سلطنتیں، بڑی تہذیبیں اور زندہ زبانیں آناً فاناً ختم نہیں ہوتیں، مغلیہ سلطنت کو عروج پانے میں ڈیڑھ سو سال لگے اور مکمل زوال میں بھی ڈیڑھ سو برس کا وقت لگا — اردو پر نظر ڈالیے تو بڑا دل خوش کن منظر نظر آتا ہے۔ مشاعروں کے جلسے، کہانیوں کی شامیں، غزلوں کی راتیں، سیمینار، سمپوزیم، فلموں اور سیریلوں اور فلمی نغموں میں اس کے الفاظ اور محاورے کا استعمال اور جانے کیا کیا — پھول، پتے اپنی اپنی بہار دے رہے ہیں اور پھل بھی نظر آرہے ہیں، لیکن جڑوں کی طرف دیکھیے تو سوکھ کر تار عنکبوت بن گئی ہیں۔ ساری طاقت، تہذیب و ثقافت کے تنے میں جمع شدہ غذا اور نمی کو چوس کر حاصل کی جارہی ہے، مگر کب تک۔ یہ چراغ سحری کی وہ بھڑک ہے جس کے بعد چراغ خاموش ہونے والا ہوتا ہے۔ مایوسی کفر ہے اس لیے عرض کرتا ہوں کہ یہ مناسب ترین موقع ہے کہ جڑوں کی طرف نگاہ کی جائے۔ اردو کی بقا اور اردو افزا تعلیم و تدریس پر مکمل خلوص، منصوبہ بندی، مفید مطالب اور باسلیقہ انداز سے توجہ دے کر جڑوں کو مضبوط کیا جائے۔

ماضی کے تسامحات

اردو کی موجودہ صورت حال کے لیے خصوصاً دو محرک ذمے دار ہیں۔ اوّل تقسیم ہند سے پیدا شدہ صورت حال میں ریاست کا رویہ اور دوم ریاست کے اس رویے اور پاکستان کے قیام کے سبب اردو کے مسلمانوں کی زبان بن جانے پر خود مسلمانوں کا منفعل رویہ۔ یہ دہرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان کبھی نہیں تھی اور اردو میں غیر مسلم خصوصاً ہندو اہل قلم کی کہکشاں اردو زبان و ادب کی تاریخ کا زرّیں باب ہے۔ میں غیر مسلم اردو ادیبوں، شاعروں کی طویل فہرست نہیں گنواؤں گا بس یہ سمجھ لیجیے کہ بقول حالی:

> پنچے یہ چٹیاں کو ہر یکتا یہ خاک
> وہ ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

اردو کا ماضی یہ ہے کہ فرقہ پرست مسلم قوتوں نے اس کے اسلامی تشخص پر ضرورت سے زیادہ اصرار کر کے اسے قیام پاکستان کی تحریک میں مرکزی حیثیت دے دی۔ اتفاق نہیں ان ہی قوتوں نے قیام پاکستان کے فوراً بعد مشرقی پاکستان پر جبراً اردو تھوپ دی جہاں اکثریت بنگلہ زبان بولنے والے مسلمانوں کی تھی۔ بنگلہ دیش کا حوالہ میں نے اس لیے دیا کہ اردو کو مسلمانوں کی زبان کہنا نہ صرف اردو اور مسلمان دونوں کے ساتھ زیادتی ہے بلکہ یہ خود اُن مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں جن کی زبان اردو سے مختلف ہے۔ بھلا بنگلہ دیش کا وہیں مسلمان کیا جانے کہ اردو کیسے لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔

میں عرض یہ کررہا تھا کہ جب فرقہ پرست مسلم سیاست نے اردو کا استحصال کیا تو وہ صورت حال ہندو فرقہ پرست سیاست کے لیے وردان بن گئی۔ تقسیم ہندستان کے بعد نہرو جیسے قد آور لیڈروں کے لیے صوبائی سطح پر اسکولی نظام سے اردو کا اخراج روکنا ممکن نہیں ہوسکا۔ دراصل اسکول کے نظام سے اردو کا اخراج ہی اردو کے زوال کا اصل سبب بن گیا۔ جب تک اسکول کے نظام میں اردو کا احیا نہیں ہوتا قومی زندگی میں اردو کا احیا ممکن ہی نہیں ہے۔ ہندستان کے منظرنامے پر جتنی زبانیں زندگی کی زبانیں ہیں اور جو بھی اپنے زوال کا شکوہ نہیں کرتیں وہ سب اپنے اپنے علاقوں کے تعلیمی نظام کا لازمی جز ہیں۔ صوبوں کی تقسیم نے اردو کے سر پر ظالم آسمان تو قائم رکھا، نیچے زمین کہیں نہیں چھوڑی۔ انگریزی کی تمام تر سیاسی مخالفت کے باوجود اس کے سر پر بادشاہت کے تاج کا اہم ترین سبب انگریزی میڈیم اسکولوں کا طاقت ور نیٹ ورک ہے۔ زبانوں کی ہمہ جہت ترقی کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ اسکول کے نظام میں کسی بھی زبان کی ترقی معاشرے میں ہر سطح پر اس زبان کے فروغ میں ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتی ہے۔ میرا ذہن اس امر میں بالکل صاف ہے کہ جب تک ہندستان کے اسکولی نظام میں نہ صرف ذریعہ تعلیم بلکہ اردو مادری زبان والے بچوں کو پہلی زبان کے طور پر اردو پڑھنے کا موقع نہیں ملے گا اردو کا کھویا ہوا مقام تو چھوڑیے وہ ہندستان کی ایک علاقائی زبان کے شانہ بہ شانہ بھی کھڑی نہیں ہوسکے گی۔

یہاں اس بات کا اعتراف لازمی ہے کہ ہمارا دستور ہند کسی بھی لحاظ سے اردو زبان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ واضح آرٹیکل موجود ہیں جو بتاتے ہیں: آرٹیکل "29A" ہندستان یا کسی بھی حصے میں رہنے والے باشندوں کو اپنی زبان، رسم خط اور تہذیب کے تحفظ کا حق ہوگا۔" لیکن جب نفاذ کا وقت آتا ہے تو تشریحات وتعبیرات وتفسیرات میں اردو کی ترقی و ترویج کا معاملہ قانونی موشگافیوں میں نگل دیا جاتا ہے۔

اسی لیے سہ لسانی فارمولہ اردو تعلیم و تدریس کے لیے کبھی اکسیر نہیں بن سکا۔

اردو کے سرکاری زبان بننے کا معاملہ ہم چار صوبوں میں دیکھ چکے ہیں۔ اس سے ہرگز کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ جن مخصوص معاملات کے لیے اردو کو دوسری سرکاری زبان بنایا گیا بعد میں علم ہوا کہ اُن معاملات میں درخواست تک اردو میں موصول نہیں ہورہی ہیں۔ درخواست اردو میں موصول نہ ہونا اردو کی تعلیم و تدریس کے ناکافی ہونے کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، عباسی برادران اور حیات اللہ انصاری نے کیسی کیسی کوششیں کیں۔ ذاکر صاحب نے 22 لاکھ سے زیادہ دستخط اردو کی حمایت میں جمع کر کے حکومت کو پیش کیے۔ آج تک علم نہیں ہوسکا کہ کاغذات کا وہ قیمتی انبار اب کہاں ہے؟ اور اس پر حسب خواہش فیصلہ کیوں نہیں ہوا؟

گوپال داس کمیٹی رپورٹ کا بھی کچھ پتا نہیں چلا۔ اندر کمار گجرال کمیٹی کا کتنا شہرہ تھا، پھر اس پر سردار جعفری کی جائزہ کمیٹی نے کام کیا، مگر اردو کے مسائل کا کوئی حل نہ نکل سکا۔ پھر کمیٹی فائل رپورٹ پیش کرچکی ہے۔ رنگ ناتھ مشرا کمیٹی کی رپوٹ بھی آچکی ہے لیکن ڈھاک کے وہی تین پات۔ اردو زبان کے حوالے سے ان کمیٹیوں کی سفارشات کا نفاذ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

اردو اور مدارسِ اسلامیہ

اردو کی ترقی کے لیے اسکولی نظام میں اردو کی شمولیت کا ذکر بہت کم ہوتا ہے۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ دینی مدارس اردو کا تحفظ کررہے ہیں۔ مجھ جیسے خانقاہی سے زیادہ مدارس کا احترام اور کون کرے گا اور کون جانے گا۔ مجھے کہنے دیجیے کہ دینی مدارس کے جو مقاصد ہیں وہ جائز بھی ہیں اور آئین ہند کے مطابق بھی۔ لیکن یہ بات وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ ہندستان کے کسی مدرسے میں اردو کی ترقی کا لائحۂ عمل اس کے ایجنڈے میں شامل نہیں ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ چند مدارس کے علاوہ تمام مدارس ایسے ہیں جن کے گوداموں میں اگلے ہفتے کا راشن بھی نہیں ہوتا۔ بچے پوس کی راتوں میں چٹائیاں لپیٹ کر سوتے ہیں۔ پھر یہ اعداد بھی دیکھیے کہ اردو سے دل چسپی رکھنے والی آبادی کے کل 53 فیصد بچے تعلیم گاہوں میں جاتے ہیں اور اُن 53 فیصد کے 4 فیصد مدارس کا منہ دیکھتے ہیں۔ مدرسہ بورڈوں کی تنخواہوں سے چلنے والے مدارس بہت کم ہیں، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے جو مدارس ہیں اُن میں استاد کی تنخواہ 4500 سے لے کر 7500 تک ہوتی ہے۔ قابلِ تدریس طلبہ میں صرف سوا دو فیصد مسکین بچے، اساتذہ کی قلیل تنخواہیں، وسائل کی شدید کمی والے مدارس کیا اردو کی ترقی و ترویج کا بھاری بوجھ اٹھا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! حکومت ہو یا عوام ان کو دینی مدارس سے اردو کی ترقی

وترویج کی بے جا امید قطعی نہیں رکھنا چاہیے۔ مدارس کو ان کے سرپرستوں کے ذمے رہنے دیجیے ان کے اپنے لائحہ عمل کے ساتھ۔ ایک ذرا نازک بات بھی اس ضمن میں عرض کرنا ضروری ہے کہ مدارس میں جس اردو کا استعمال ہوتا ہے وہ مذہبی اردو ہوتی ہے، عربی وفارسی کی اصطلاحات اور عربی مخارج سے گراں بار۔

اردو اکادمیاں اور اردو کا فروغ

اردو کی ترقی کے سیاق وسباق میں ایک اور غلط بحث اردو اکادمیوں کے تعلق سے ہے۔ تقسیم ملک کے بعد جب پنڈت نہرو بے بس ہوگئے تو انھوں نے اردو ثقافت کی مدد اد حکمت عملی تیار کی۔ نہرو جی نے اپنی حکمت عملی کے ذریعے اردو ثقافت کے فروغ کی ہر ممکن کوشش کی جسے ان کی سیاسی وارث مسز اندرا گاندھی نے اردو اکیڈمیوں کی شکل میں Institutionalized کیا۔ دہلی میں نہرو جی کی موجودگی نے دلی کے تعلیمی نظام میں اردو کی موجودگی کو برقرار رکھا۔ آج بھی ہمیں دہلی میں اردو میڈیم اسکول نظر آتے ہیں اور ایسے اسکول کی بھی کمی نہیں جہاں اردو کو ایک اختیاری زبان کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اردو اکیڈمیوں کا مینڈیٹ (Mendate) اردو ادب اور ثقافتی سرگرمیوں تک محدود ہے، مگر اردو والے ان سے بھی یہی توقع کرتے ہیں کہ وہ اردو تعلیم کے فروغ میں بھی معاون ہوں۔ یہ توقعات اس لیے بڑھ گئی ہیں کہ کسی وقت بغیر سوچے سمجھے دہلی حکومت نے اردو اساتذہ کی تقرری کی ذمے داری دہلی اردو اکیڈمی کو دے دی جب کہ دیگر اردو میڈیم اسکول یا اردو کو اختیاری زبان کے طور پر پڑھانے والے اسکول Directorate of Education کے زیر انتظام ہیں جو بالکل صحیح ہے۔ اس ابہام میں دہلی اردو اکادمی کے ذریعے تقرر پانے والے اساتذہ پھنس کے رہ گئے ہیں اور آج تک اپنے اصلی گریڈ کو ترس رہے ہیں۔ ہندوستان بھر میں پھیلی اردو اکادمیاں ادب اور ثقافت کے کاموں کو ہی ٹھیک سے سرانجام دے لیں تو ہم سمجھیں گے کہ گنگا نہالی، ورنہ یہ ہوگا کہ کوا چلا ہنس کی چال، اپنی چال بھی بھولا۔

میڈیا اور اردو

اردو کی ترقی وترویج کے سیاق وسباق میں سہل پسندانہ تجربے کا نیا پہلو عوامی ذرائع ابلاغ ہیں، خصوصاً الیکٹرانک میڈیا اور فلمیں — دل چسپ بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو بجا طور پر اردو والے رسم خط کو اردو زبان کا لازمی جز مانتے ہیں، دوسری طرف ان ذرائع ابلاغ سے اردو کی ترقی کو جوڑتے ہیں جن کا یا تو رسم خط سے کوئی تعلق نہیں ہے یا پھر وہ دیوناگری یا رومن رسم خط کو استعمال کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں، محفلوں میں اکثر غیر اردو داں طبقے کے منہ سے اردو اشعار کا برمحل استعمال کسے نہیں اچھا لگتا لیکن یہ سب کچھ ماحول کو تو نرم اور خوشگوار کرتا ہے لیکن کیا یہ اردو کی ترقی کے کسی سنجیدہ لائحہ عمل کا حصہ ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ حکومت کی پالیسی پلاننگ میں ایسی کسی خوش قدمی کی کوئی جگہ ہوتی ہے؟ اس کا سوال کا جواب بھی نفی میں ہے۔

دو فوری اقدامات

اردو سے متعلق دو امور فوری توجہ کے متقاضی ہیں:

۱- مقابلے کے سب سے بڑے UPSC کے امتحانات سے عربی اور فارسی کو بہ حیثیت اختیاری مضمون کے نکال دینا قطعی دانش مندانہ فیصلہ نہیں ہے۔ جرمن، فرانسیسی اور پالی کے بارے میں کچھ نہیں عرض کرتا لیکن عربی اور فارسی تو ہندوستان کی زندہ زبانیں ہیں۔ چار یونیورسٹیاں انھیں زبانوں کی تعلیم کے لیے کام کررہی ہیں۔ 25 کے قریب شعبے ان زبانوں کی اعلا درجے کی تدریس میں مصروف ہیں۔ صدر جمہوریہ ہر سال عربی وفارسی اساتذہ کو انعامات عطا کرتے ہیں۔ لاکھوں طالب علم ان زبانوں کو سیکھ رہے ہیں، یہ زبانیں ہمیں عرب ممالک اور مشرق وسطی سے وابستہ رکھتی ہیں۔ اس ملک کے بیس کروڑ سے زائد افراد کا مذہبی سرمایہ ان زبانوں میں محفوظ ہے۔ ان زبانوں کے چاہنے والے ڈرتے ہیں کہ آج انھیں UPSC سے نکالا جارہا ہے، کل شاید درس گاہوں سے بھی راندۂ درگاہ کردیا جائے گا۔ بہ تدریج من مانی کرنے کی عالمی اور قومی بہت سی مثالوں سے ہم آشنا ہیں۔ اردو کا امتیاز اس کی شیرینی، نفاست، خطابت اور پیچیدہ مطالب کو بیان کرنے میں مضمر ہے۔ وہ بہت کچھ ان دو زبانوں کے طفیل ہے۔ اس سے پیش تر اس فیصلے کا پیدا کردہ رنج دانش وروں سے نیچے چھن کر عوام تک پہنچے، اس کا فوری تدارک لازمی ہے۔

۲- سرکاری ویب سائٹ India Development Gateway سے اردو کو دور کردیا گیا ہے جب کہ رائے شماری کے اعتبار سے اردو بولنے والی آبادی ہندوستان میں چھٹے نمبر پر فائز ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سے کہیں کم بولی جانے والی زبانوں میں انڈیا ڈیولپمنٹ گیٹ وے موجود ہے۔ اس غلطی کا ازالہ بھی فوری طور پر ضروری ہے۔

اختتامی کلمات کے طور پر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اردو کی بقا اور ترقی کے لائحہ عمل کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اردو والے صحیح خطوط پر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کام کریں۔ اردو سے وابستہ سرکاری ادارے وہ کام کریں جو واقعی ان کے دائرۂ عمل میں آتا ہے کیوں کہ حکومت انھیں وسائل بھی اسی نسبت سے فراہم کراتی ہے۔ اردو کے احیا و بقا اور ترقی کا اسم اعظم صرف اور صرف اسکول کے نظام میں اس کی با معنی شمولیت ہے۔ یہ سب کہتے وقت میں اردو مخالف قوتوں کی سازشوں کو نظر انداز نہیں کررہا ہوں جن کا سلسلہ ایک صدی سے زیادہ پر محیط ہے۔ ان قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جمہوری طرز پر شدید جدوجہد کی ضرورت ہے اور اس طرح کی شدید جدوجہد کو ہندوستان کی سول سوسائٹی ایک نہایت موثر آلے کے طور پر قبول کرچکی ہے۔ افسوس کہ اردو کے سیاق وسباق میں ایسی کسی جدوجہد کی آہٹ ہمیں دور دور تک نہیں سنائی دیتی۔ جارحانہ یا شدید جدوجہد تو ایک طرف کسی بھی طرح کی جدوجہد سے بے نیاز اردو والے اب صرف اس خیال کے ہیں کہ بس اب حکومت کی امداد سے چلنے والے ادارے اردو کی تعلیم و تدریس، ثقافت وتہذیب — ہر چیز کا تحفظ کریں گے۔ میں اردو عوام، قائدین اور دانشوروں کے اس رویے پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا — بس دست بستہ میر کا ایک شعر پڑھ کر اپنی راہ لوں گا:

افسردگی سوختہ جاناں ہے قہر میر
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

●●●

بقیہ: عہد حاضر کا ایک اہم اقبال شناس

صفحہ ۳ سے آگے

کے معنی کو اس خیال سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا جو نظم میں بیان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیال سچا ہو یا جھوٹا، صحیح ہو یا غلط، شعر کی سچائی یا اس کا سچا پن اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ فلسفے کی صحت یا عدم صحت کو مطلق ماننا (یعنی شعر کی خوبی یا خرابی کو بھی فلسفے کی صحت یا عدم صحت کا تابع ٹھہرانا) شعر اور فلسفے کو ایک ہی شے فرض کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ شعر اور فلسفہ دو الگ الگ چیزیں ہیں ورنہ بہت سارا فلسفہ شاعری سے اور تقریباً ساری شاعری فلسفے سے خالی کیوں ہوتی؟ دوسرا معاملہ یہ ہے کہ کسی فلسفے کے بارے میں آج تک یہ طے نہ ہوسکا کہ وہ کس حد تک صحیح ہے، بلکہ یہ بھی طے نہیں ہوسکا ہے کہ وہ صحیح ہے بھی یا نہیں۔ لہٰذا جس چیز کی صحت، عدم صحت خود ہی مختلف فیہ ہو اس کو شاعری کی خوبی یا خرابی کا معیار ٹھہرانا کہاں کی ایمان داری ہے؟

اس بات کی وضاحت کے لیے اقبال کی ہی ایک نسبتاً سادہ لیکن انتہائی خوبصورت نظم کی مثال نامناسب نہ ہوگی۔ "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" میں وہ کہتے ہیں:

ہے فلسفہ زندگی سے دوری
انجام خرد ہے بے حضوری
ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی

ان اشعار کی خوب صوتی بیان کرنا تضیع اوقات ہے لیکن اگر اس پر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے تنقید کی جائے تو دونوں شعر بڑی حد تک غلط، لہٰذا خراب ٹھہریں گے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ تمام فلسفے پر یہ الزام کہ وہ زندگی سے دوری ہے قطعاً غلط ہے۔ فلسفے کا وجود ہی اس وجہ سے ہوا کہ انسانوں نے زندگی اور اس کے سرچشموں کو سمجھنا چاہا۔ انجام خرد کو بے حضوری کہا جاسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسے کسی وجود یا ایسی کسی حقیقت کا ہونا ثابت کیا جاسکے۔ لیکن جب آپ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے گفتگو کریں گے تو فلسفیانہ دلائل (نہ کہ وجدان، الہام، وحی وغیرہ) کی ضرورت ہوگی۔ ہیگل کے صدف کو گہر سے خالی کہنا ان تمام لوگوں کو یقیناً غلط معلوم ہوگا جو اس کے کسی بھی حد تک پیرو ہیں۔ (ان میں ترقی پسند بھی شامل ہیں) اس کے فلسفے کو طلسم کہنا تو انھیں زہر ہی لگے گا اور اس کو خیالی بتانا تو ان لوگوں کے لیے کفر کی معراج ہوگی۔ یعنی فلسفیانہ بیانات کی حیثیت سے یہ اشعار غلط یا کم از کم مشتبہ ہیں لیکن شعر پھر بھی اچھے ہیں بشرطیکہ ان کی مشتبہ فلسفیانہ حیثیت کی بنا پر انھیں رد نہ کردیا جائے۔

ثابت یہ ہوا کہ کسی نظم کی فلسفیانہ حیثیت اس کی شاعرانہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ فلسفیانہ حیثیت کو پرکھنے اور پھر اس کی اساس پر شعر کی تقدیر کی اساس رکھنے کا لالچ ایسا ہے کہ اس سے کوئی بچ نہیں سکا ہے اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ فلسفیانہ حیثیت کو نظر انداز کرکے ہی شعر کی تعین قدر کی جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ زیادہ تر ہماری شاعری میں کوئی اس قسم کا فلسفیانہ یا مفکرانہ رنگ ہوتا ہی نہیں کہ جس کی فلسفیانہ سچائی یا جھوٹائی کے پیچھے پڑنا ضروری ہو۔"

(باقی آئندہ)

قومی اردو کونسل کی عالمی اردو کانفرنس کا

کلیدی خطبہ

سید محمد اشرف (59، قدوائی نگر ویسٹ، نئی دہلی-110023)
E-mail:smashraf57@yahoo.com

کسی بھی زبان سے متعلق اگر عالمی پیمانے پر کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہو خصوصاً اردو میں، جس کے چاہنے والے دنیا کے گوشے گوشے سے آج اردوئے معلی شاہ جہاں آباد میں آن جمع ہوئے ہیں تو پورے ماحول میں مسرت، سرشاری اور شادمانی کا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ میں بھی اس شادمانی اور سرشاری میں خود کو شریک پا کر بہت مسرور ہوں اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ارباب حل و عقد کے تئیں سراپا سپاس گزار ہوں کہ کلیدی خطاب پیش کرنے کے لیے انھوں نے میرا انتخاب کیا۔

معزز خواتین و حضرات! قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی کارکردگی کے تئیں میں چند اعترافات کرنے پر مجبور ہوں:

۱- قومی اردو کونسل فی الوقت دنیائے اردو کا سب سے بڑا اشاعتی ادارہ ہے۔

۲- قومی اردو کونسل نے اردو کو آج کی جدید کمپیوٹر ٹکنالوجی سے یہ حسن و خوبی وابستہ کر دیا ہے اور دھیرے دھیرے اس منزل کی طرف رواں دواں ہے جہاں کمپیوٹر اور موبائل پر اردو میں بھی وہ تمام کام کیے جا سکیں گے جو اب تک صرف انگریزی کے ذریعے ممکن تھے۔

۳- قومی اردو کونسل کو دو کمرشل کورسز کی بہ زبان اردو توسیع کا مینڈیٹ بھی مل چکا ہے اور اس ذیل میں ضروری اقدام کیے جا رہے ہیں۔

۴- کیلی گرافی اور اس سے متعلق دیگر نفاستوں کی روایت کو محفوظ کرنے کا کام بھی قومی اردو کونسل شروع کر چکی ہے، وہ بھی اس طرح کہ اس سے روزگار کے مواقع بھی حاصل ہوں۔

۵- عام طور پر کتاب کا شوقین کتب فروشوں کے پاس جاتا ہے لیکن قومی اردو کونسل نے یہ وضع اختیار کی ہے کہ کتابیں لے کر خود اصحاب ذوق اور خریداروں کے پاس جاتی ہے۔ صرف دہلی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں بھی۔

یہ تمام کام اور اردو کے فروغ کے ایسے بہت سے کام ممکن نہیں ہوتے اگر وزیر کابینہ برائے فروغ انسانی وسائل ڈاکٹر ایم ایم پلم راجو کی محبت اور رغبت اردو اور قومی اردو کونسل کو حاصل نہ ہوتی اور اگر وزیر مملکت محترم جتن پرساد کی مستقل نگرانی، توجہ اور ترغیب کا شرف قومی اردو کونسل کو حاصل نہ ہوتا۔

پروفیسر وسیم بریلوی اردو دنیا کے معروف شاعر ہیں لیکن قومی اردو کونسل کی سربراہی اور اس کے کاموں میں ان کی گہری دلچسپی نے خدا جانے ان کے کتنے مشاعروں کا خون کیا ہوگا۔ وہ اردو کے فروغ کے ذہنی مسائل سے کماحقہ واقف ہیں۔ غالباً خوب صورت شعر کہنے سے زبان میں بھی ایسی موتی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بہت جلد غیروں کو اپنا کر اپنا ہم نوا و ہم زباں بنا لیتے ہیں۔ ان کے لیے قومی اردو کونسل کے کاموں کو جس شخص نے پانی بنا دیا ہے اور جس کی دیانت، شرافت، لیاقت اور محنت کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں وہ ہیں ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین جو ہر وقت قومی اردو کونسل کے کاموں اور اردو کے فروغ میں تیزی لانے کے لیے مصروف رہتے ہیں۔ ان چاروں کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اور جب تک یہ اردو کے فروغ کے کاموں میں خلوص کے ساتھ مصروف رہیں گے، ہم سب ان کے لیے دعائیں کرتے رہیں گے۔

معزز حاضرین! انفعال کے بعد معائب کا بیان ضروری ہے — اور اس سے بھی پہلے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اردو کو لشکری کی زبان نہ سمجھا جائے۔ اس سے بہت غلط بحث پیدا ہوتا ہے۔ چلتی ہوئی تلواریں، گرتی ہوئی لاشیں، تاراج ہوتی ہوئی عمارتیں، جلتی ہوئی فصلیں، بے آبرو ہوتی ہوئی عورتیں، غلام بنتے ہوئے مرد — بھلا اردو کا ان باتوں سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟ یہ تو اس تہذیب کی زبان ہے جس کے لیے میر انیس نے کہا تھا:

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

آج سے ڈھائی سو سال پہلے کا میر امن شہادت دیتا ہے کہ یہ زبان کس طرح مقرر ہوئی:

''جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تو چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آ کر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے اور ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی... جب حضرت شاہ جہاں صاحب قران نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کرایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا تو یہ شاہ جہاں آباد کے نام سے مشہور ہوا... پھر اس کے بازار کو اردوئے معلی کا خطاب دیا''۔

ملاحظہ فرمایئے کہ میر امن شہر کے بازار کو اردوئے معلی کہہ رہے ہیں۔ شہر پناہ کے باہر بسے ہوئے لشکری کیمپوں کو اردوئے معلی نہیں کہا جا رہا ہے اور یہی بازار تھا جس کی ایک راہ دربار شہنشاہ تک جاتی تھی اور دوسری راہ صوفی کی خانقاہ تک۔ اردو زبان شاہی دربار، خانقاہ اور بازار میں بولی جانے والی زبان تھی۔ نواح دہلی اور دہلی میں پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے والی زبان اردو ان ہی تین اداروں کی مرہون منت تھی۔

آج کی تاریخ میں اردو کا مسئلہ بے حد پیچیدہ ہے۔ میرے ذہن میں جس طرح اس کی پیچیدگی کی جہتیں صاف ہیں اسی طرح اس کے روشن مستقبل کا لائحہ عمل بھی واضح ہے۔ غالباً کہنے کی ضرورت نہیں کہ اردو کا روشن مستقبل ان تسامحات کے تدارک میں مضمر ہے جو خود اردو والوں سے سرزد ہوئے — اپنا احتساب اکثر بگڑے کام بنا دیتا ہے۔ دوسروں کو الزام دیتے رہنا کسی مسئلے کا حل نہیں۔ اردو کے پیچیدہ مسئلے کو سمجھنے کے لیے ایک تمثیل شاید کارگر ہو۔ اس طرح ممکن ہوگا کہ ہم اردو کے پیچیدہ معاملے اور اردو کے مختلف مظاہر کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور صحیح پس منظر اور تناسب میں دیکھ سکیں۔

اردو ایک چھتنار، مضبوط تنے والے درخت کی طرح ہے جس میں پھل اور پھول بھی ہیں اور پتے بھی۔ اس کی جڑ بھی ہے لیکن جڑ نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ اس درخت کی جڑ تعلیم و تدریس ہے — اس کا مضبوط تنا اردو تہذیب ہے جسے ہم گنگا جمنی تہذیب کہتے ہیں۔ اس کے خوش رنگ پھول اور پتے دراصل ادب اور دیگر فنون لطیفہ ہیں۔ اس کا پھل اردو سے وابستہ روزگار کے وسائل ہیں۔ اس کی کھاد خود اردو والوں کی اردو سے محبت اور اردو کی ترقی و ترویج کی کوشش ہے۔ جڑوں کو دیا جانے والا پانی حکومت کی اردو سے رغبت اور سرپرستی ہے — اس درخت کے پھل، پھول اور پتے بھی بہار دیں گے اور اس کا تنا بھی استادہ رہ سکے گا جب اس کی جڑ میں مناسب مقدار میں کھاد اور پانی مستقل لگتا رہے۔ ادب اور فنون لطیفہ —

(بقیہ صفحہ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: شمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے — (ادارہ)